مسلک اہلحدیث کا داعی اور ترجمان
ہفت روزہ
الاعتصام
لاہور
پاکستان
جلد ۳۵
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ
جمعۃ المبارک ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء
شمارہ ۲۵
مندرجات
تبصرۂ کتب ۲
اداریہ ۳-۴
شہیدِ بالاکوٹ ۵-۸
حقوق کے بارے میں قاعدہ کلیہ ۹-۱۰
محمدی صراطِ مستقیم ۱۱-۱۴
الشیخ عبدالحق بنارسیؒ ۱۵-۱۷
خواتین سیرت کانفرنس؟ ۱۸-۲۰
اطلاعات و اعلانات ۲۱-۲۳
محمد عطاء اللہ حنیف
حافظ صلاح الدین یوسف
علیم ناصری ایم اے
محمد سلیمان انصاری
سالانہ ـــ ۵۰ روپے
فی پرچہ ـــ ۵۰/۱ روپیہ
ممالک غیر سے : ۲۰ پونڈ
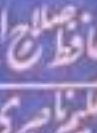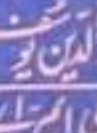
تبصرہ کتب

منظوم اردو تفسیر سورۂ فاتحہ
منظوم اردو ترجمہ پنجسورہ شریف

شاعر: شیخ فضل الرحمٰن فضل ریٹائرڈ ... ادیب عالم
ضخامت: درمیانہ سائز، بالترتیب ۵۰ اور ۴۰ صفحات
قیمت چھ، چھ روپے۔
ناشر: ادارہ دعوت قرآن
۱۱۶/۱ بالمقابل شمالی دروازہ مسجد جٹاں پیر اکبر سٹریٹ ع ۱۰۵
اچھرہ۔ لاہور

شیخ فضل الرحمٰن فضل ایک نیک نہاد اور شریف النفس ریٹائرڈ سرکاری افسر ہیں اور دین کی خدمت کا والہانہ شوق رکھتے ہیں۔ چونکہ وہ ایک باقاعدہ عالم دین نہیں اس لئے اپنی حد تک تبلیغی خدمات انجام دینے کے لئے انہوں نے اپنا ایک خاص انداز اختیار کیا ہے۔ اتفاق سے وہ شاعری میں بھی درک رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے سب سے پہلے سورہ فاتحہ اور سورہ البقرہ کا منظوم ترجمہ شائع کیا جس پر ہم الاعتصام میں تبصرہ کر چکے ہیں۔ قرآن پاک کا ترجمہ شعر میں کرنا کوئی ایسا آسان کام نہیں ہے جس پر ہر شخص قادر ہو سکے۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی اور علامہ سیماب اکبرآبادی اس سلسلے میں خاصی شہرت رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود اہل فن جانتے ہیں کہ ترجمے کا حق شعر میں کما حقہٗ ادا نہیں ہو سکا۔ حالانکہ یہ دونوں قادر الکلام سخنور اور استادانِ فن شاعر تھے۔ ان دنوں عظیم نعت گو اور برصغیر کے چوٹی کے شاعر جناب عبدالعزیز خالد قرآن پاک کا ترجمہ نظم کر رہے ہیں مگر انہوں نے پابند شاعری کو اس کام کے لئے موزوں نہیں پایا اس لیے انہوں نے آزاد نظم کا انداز اختیار کیا ہے اور اس سے بہتر کوئی متبادل طریقہ ہے بھی نہیں کیونکہ پابند شاعری میں ہونے پر ردیف کی پابندی آیت کے مفہوم سے دور نکل جاتی ہے۔

فضل صاحب کے منظوم ترجمے کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی ہے۔ اشعار میں آیت کے مفہوم اور قافیے کی ضرورت کے تحت لائے جانے والے اضافی الفاظ کو قوسین میں درج کرنا پڑا ہے۔ جناب سیماب اور آغا شاعر کے ہاں بھی یہی طریقہ ہے مگر ان کے کلام میں بلندی اور زبان و بیان میں صحت اور سلاست ہے مگر افسوس ہے کہ فضل صاحب اس معیار پر پورا نہیں اُترے۔ پنجسورہ میں ترجمے کا وہی انداز ہے جو اس سے پہلے البقرہ میں تھا۔ ہم ان کو مشورہ دے چکے ہیں کہ وہ منظوم ترجمہ کرنے کی بجائے علوم دینی مسائل و عقائد پر نظمیں لکھا کریں جس سے تبلیغ کا شوق بھی پورا ہوگا اور دینی خدمت بھی ہو گی مگر وہ اپنی بے کیف شاعری کو "کارنامہ" سمجھنے پر مصر ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اس کو شائقین کی پُرزور فرمائش سمجھتے ہیں۔ حالانکہ "شائقین" شعری فکر و فن سے نابلد معلوم ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی "شاعری" فنِ شعر سے کتنا بڑا مذاق ہے۔ اس سے قطع نظر اس قسم کی شاعری (جس کی مثال کی یہاں گنجائش نہیں) آیہ کریمہ کی حلاوت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

ہم اس تلخ گوئی پر فضل صاحب اور ان کے شائقین سے معذرت کرتے ہوئے ایک بار پھر یہ "دوستانہ مشورہ" دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ قرآن اور شاعری پر رحم فرمائیں اور اپنی "شعری صلاحیتوں" کو کسی دوسرے میدان میں صرف فرمائیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ الاعتصام لاہور

جلد ۳۵ — شمارہ ۲۵

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ — ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء

سیرت کانفرنس کے نام پر سیرتِ رسولؐ کا استہزاء و استخفاف!

گزشتہ دنوں ایوانِ صدر (اسلام آباد) میں ایک اجتماعِ نسواں (WOMEN'S CONVENTION) منعقد ہوا۔ جو سرکاری سرپرستی میں تھا اور اس کی مہمانِ خصوصی محترمہ شفیقہ جہاں (بیگم ضیاء الحق) صاحبہ تھیں۔ اس کنونشن میں ملک بھر سے دانشور خواتین، اعلیٰ سوسائٹی کی بیگمات، بڑے تعلیمی اداروں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ معلمات اور طالبات شریک تھیں۔ اخبارات میں اس کنونشن کی تصاویر اور رودادیں بھی شائع ہوئیں اور یہ عورتوں کی ایک کامیاب تقریب تصور کی گئی۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ اور قابلِ توجہ نوائے وقت ۲ جنوری ۱۹۸۴ء میں "خاتون کی ڈائری" ہے جس کا عنوان ہے۔ "خاتونِ اول سے ایک سوال" ؟۔

قطع نظر اس سے کہ "خاتونِ اول" کا خطاب اسلام میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کسی دوسری خاتون کے لئے زیبا نہیں (یہ محض غیر اسلامی سربراہانِ مملکت کی بیگمات فرسٹ لیڈی (FIRST LADY) کی نقالی کا پرتو ہے) ہمیں اس کالم کا وہ حصہ خاص طور پر اہم معلوم ہوا جس میں پچھلی نشستوں سے کھڑی ہو کر ایک برقع پوش خاتون نے صدرِ مملکت جناب ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں بیگم ضیاء الحق کے غیر محرم مردوں سے ہاتھ ملانے پر اعتراض کیا اور بجا طور پر اسے اسلامی غیرت کے خلاف قرار دیا۔

ہمیں اس غیور بہن کی "حق گوئی و بے باکی" پر نہ صرف فخر محسوس ہوا ہے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بہن کا سوزِ جگر، پاکیزگیٔ خدا اور جرأتِ ایمانی دوسری بہنوں اور بیٹیوں کو بھی ودیعت فرمائے۔ "خاتون کی ڈائری" ہم من وعن شاملِ اشاعت کر رہے ہیں تاکہ [illegible]ن کے لئے عبرت و موعظت کا سبب بنے۔

اس غیور بہن کی حق گوئی دوسری خواتین کے لیے بڑی خفگی کا باعث بنی اور ان میں سے اکثر نے اس بچی کو تضحیک کا نشانہ بنایا۔ سب سے بڑھ کر اس کنونشن کی فعال کارکن اور ویمن ڈویژن کی سیکرٹری بیگم سلیمہ احمد نے تو یہ کہہ کر حد کر دی کہ "قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ غیر مرد سے ہاتھ نہ ملایا جائے" جس پر چند عورتوں نے تالیاں بجائیں (حالانکہ یہ عورتیں مسلمان خواتین تھیں زلیخا کے کنونشن کی بیگمات نہیں تھیں اور وہ یہاں سیرت کانفرنس میں آئی تھیں کسی پیپی بر تھڈے میں نہیں) کسی نے یہ بھی کہا کہ قرآن میں دل توڑنا منع ہے۔ حالانکہ وہ بے چاری یہ بھول گئی کہ غیر مردوں کے دل نہ توڑنے کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔ اور تہذیبِ نو میں کسی عورت کا

طابع: چوہدری عبدالباقی نسیم • مطبع: ادمنی پرنٹرز لاہور • ناشر: [illegible] اللہ حنیف • مقامِ اشاعت: شیش محل روڈ لاہور

غیر مرد کی خواہشات کا احترام کیا معنی رکھتا ہے۔ سلیمہ احمد اور اس کی تائید کنندہ بی بی نے نہایت ڈھٹائی سے قرآن کو چیلنج کیا ہے جو واضح طور پر کہہ رہا ہے "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا" (الاحزاب - ۳۲)

ترجمہ (اے نبی کی بیویو تم دوسری عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو بشرطیکہ تم صاحب تقویٰ ہو پس تم بات کرتے وقت ایسا لوچدار لہجہ اختیار نہ کرو جس سے مریض دل والا (بدکردار) شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ نیز تم بات بھی بھلائی کی کرو)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بات کرنے تک میں ایسے لہجے سے منع کر دیا گیا ہے جس سے کسی کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، چہ جائیکہ اس سے ہاتھ بھی ملایا جائے؟ اور اس کے دل ٹوٹنے کا بھی احساس رکھا جائے۔

تہذیب حاضر نے عورت کو پھر سے اس دَورِ جاہلیت میں دھکیل دیا ہے جس کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیۂ مبارکہ میں کیا گیا ہے۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ..... الآیہ (اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیتِ اُولیٰ کی طرح زیب و زینت اور بے پردگی کا اظہار نہ کرو) (الاحزاب ۳۳) اسی طرح لباس کے سلسلے میں اپنے زینت کے مقامات کو چھپانے کا بھی حکم فرمایا گیا ہے۔ تبرجِ جاہلیہ سے مراد اگلے زمانے کی گمراہی اور عورتوں کی بے راہروی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یونانی اور رومی تمدن میں عورت کتنی بے باک تھی۔ مصری تہذیب کی کلو پیٹرا اور زلیخا کی کارگزاریوں کا کسے علم نہیں۔ ٹرائے کی ہیلن کے باعث یونان کے قتل و غارت کا قصہ کس نے نہیں سنا.....!!

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس تبرجِ جاہلیت سے منع فرما دیا اور عورت کے لئے اس کا صحیح مقام اس کا گھر بتایا۔ اب وہ انگریزی تہذیب کی نقالی میں اگر پھر اسی طرف لوٹ جانا چاہتی ہے جس سے اسلام نے اسے بچایا تھا تو اس کی ذمہ داری عورت پر نہیں بلکہ ان مردوں پر ہے جو اس کی تمام غلط فکریوں اور کج اندیشیوں سے چشم پوشی کر کے اس کی دلداری کر رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مرد کو عورتوں پر حاکم مقرر کیا ہے۔ "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ......"

کیونکہ عورت کی عقل و فہم انسانیت کی پوری عقلی معراج تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی عقل کے لئے ایک نہ ایک "سدرۃ المنتہیٰ" ہے۔ اس سے آگے "فروغِ تجلی بسوزد پرم" کی کیفیت آ جاتی ہے۔ اس کی تازہ مثال ہماری واجب الاحترام خاتون بیگم ضیاء الحق صاحبہ کا وہ جواب ہے جو کالم نگار خاتون کو دیا گیا یعنی "جب کوئی ہاتھ آگے بڑھا دے تو کیا میں ہاتھ لٹکائے کھڑی رہوں؟" ان کی سوچ کا یہ مقام نہایت افسوسناک ہے۔

ہم اپنے صدرِ گرامی مرتبت سمیت اپنے تمام مرد بھائیوں سے گزارش کریں گے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور عورتوں کو ان کے حقوق کی "حدود" کا احساس دلائیں۔ کیونکہ :-

نے پردہ نے تعلیم نئی ہو کہ پرانی !
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

کراچی میں سالِ نو کا جشن

کراچی - یکم جنوری ۷۴ء شہر کے سینکڑوں نوجوانوں بے فکرے دولت مندوں اور بعض سرکاری افسروں نے گزشتہ شب بارہ بجے بتی گل کر کے مغرب کے انداز میں نئے سال کو خوش آمدید کہا اور ہیپی نیو ایئر کے گیت گائے۔ شہر کے تمام بڑے اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں آج سالِ نو کی تقریبات منعقد ہوئیں۔ جن میں موسیقی کے پروگرام، رقص اور عشائیے کا

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

تحریر: مولانا غلام رسول مہر، مرحوم
تلخیص: ادارہ محدث۔ بنارس

(قسط ۴)

مشہدِ بالاکوٹ

مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ

سید صاحب کے ساتھ مسجد زیریں سے دامن کوہ کے قریب تک تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر غازی متفرق جماعتوں میں تقسیم ہو کر سکھوں پر حملہ آور ہوئے تو مولانا کا مورچہ بھی سید صاحب سے کسی قدر ہٹ کر تھا۔ سید صاحب کا مورچہ چونکہ سارے مورچوں سے آگے تھا اور دھوئیں کی شدت سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اس لیے تھوڑی دیر بعد غازیوں کو تشویش ہوئی کہ سید صاحب کہاں ہیں۔ ایک دوسرے سے پوچھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند لمحوں میں تشویش و اضطراب کی یہ لہر ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ غازیوں کی طرف سے حملے کی شدت اور جنگ کا نظم جاتا رہا اور سکھوں کو اس صورت حال سے بڑا فائدہ پہنچا۔ اس موقع پر مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق مختلف لوگوں کے بیانات یہ ہیں۔

دیوبند کے شیخ حفیظ اللہ فرماتے ہیں؛ دھانوں کے کھیت میں میں نے دیکھا کہ مولانا اسماعیل صاحب کھڑے بندوق لگا رہے ہیں۔ میں نے دور ہی سے پکار کر پوچھا۔ مولانا صاحب! حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شور نہ کرو۔ سکھ سنتے ہیں۔ حضرت آگے نالے میں ہیں وہیں چلے جاؤ۔

منظورہ میں ہے کہ شاہ صاحب کی پیشانی پر گولی لگی۔ سید عبدالرحمن (خواہرزادۂ سید صاحب) نے شیخ ولی محمد اور امان اللہ خاں لکھنوی کی زبانی سنا کہ مولانا کے سر پر ایک گولی لگی تھی۔ اس سے اگرچہ خفیف زخم آیا لیکن داڑھی خون سے رنگی گئی۔ پھر آپ ننگے سر امان اللہ خان کو ملے بندوق بھری ہوئی تھی۔ اور پلیتی چڑھی ہوئی تھی۔ پوچھا۔ امیر المومنین کہاں ہیں؟ امان اللہ خان نے مٹی کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ادھر سے بکثرت گولیاں آرہی تھیں۔ لیکن یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ بھائی! میں تو وہاں جاتا ہوں۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کس حربے سے شہادت پائی [۱] میاں امام الدین بودھانوی کا بیان ہے کہ جب غازی حضرت امیر المومنین کی تلاش میں تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا رفل (رائفل) کندھے پر رکھے ہوئے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ پیشانی سے خون جاری ہے [۲] لعل محمد جگدیش پوری مٹی کوٹ کے دامن کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے بائیں طرف سے مولانا اسماعیل رفل (رائفل) کندھے پر ڈالے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے میرے پاس آئے۔ پیشانی سے خون بہ رہا تھا۔ پوچھا۔ امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سن کر وہ اس طرف جھپٹتے ہوئے چلے گئے [۳]۔ کریم اللہ خاں میراتی کا بیان بھی یہی ہے کہ مولانا اس ہجوم کی

۱: منظورہ ص ۱۱۹۴
۲: وقائع جلد سوم ص ۲۲۵
۳: وقائع جلد سوم ص ۲۵۲-۲۵۳

طرف چلے گئے جہاں تلوار چل رہی تھی۔ وقائع میں ہے کہ سر سے خون جاری تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ گولی سر پہ لگی تھی یا کنپٹی پر۔ ہجوم میں جا کر دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ ہجوم بالاکوٹ کی غربی سمت میں مٹی کوٹ کے دامنے میں تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ شہادت گولی سے ہوئی یا تلوار سے۔

بقیہ غازی اور شہداء

سیّد صاحب کے حملہ آور ہونے کے بعد عام جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ملّا لعل محمد قندھاری کا مورچہ سب سے آگے سکھوں کی نزول گاہ کے دائیں طرف پڑتا تھا۔ سیّد صاحب کا حملہ نزول گاہ پر تھا۔ اس لیے یہی دونوں مقام جنگ کا مرکز ثقل تھے۔ جنوبی سمت سے بھی سکھوں نے قصبے پر یورش کر دی تھی۔ سکھ فوج اگرچہ غازیوں کے مقابلے میں دس گنا تھی لیکن جس عزیمت و استقامت کے ساتھ سیّد صاحب نے جنگ شروع کی تھی اُسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے سکھوں کا فتح یاب ہونا آسان نہ تھا مگر جب غازیوں کو یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب کا کچھ پتہ نہیں ملتا تو اکثر اصحاب بےخود و بے اختیار ہو کر اس میدان میں سرگرداں پھرنے لگے جہاں اولوں کی طرح گولیاں اور پتھر برس رہے تھے۔ ہر ایک کی زبان پر صرف یہ تھا کہ حضرت کہاں ہیں؟ سیّد جعفر علی نقوی فرماتے ہیں: "دورانِ جنگ میں سیّد صاحب کی گمشدگی کا حال سن کر جاں نثار ارادت مندوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور بے قرار ہو کر آپ کی تلاش میں سو بہ سو پھرنے لگے۔ سکھوں کی گولیاں جو شربتِ شہادت سے لبریز تھیں کھا کر رحمتِ الٰہی کی آغوش میں پہنچتے رہے۔

تدبیرِ دفاع

سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ میدان میں تھوڑے سے غازی رہ گئے۔ بائیں جانب سے امان اللہ خاں لکھنوی آئے۔ پھر شیخ ولی محمد آ گئے۔ طے ہوا کہ جو چھوٹی سی جماعت مٹی کوٹ کے دامن میں سکھوں کے مقابلے پر رہ گئی ہے۔ اسے ہٹا کر بالاکوٹ لے چلیں۔ اس طرف اور غازی بھی ہوں گے۔ سب جمع کر لڑیں گے تو ممکن ہے سکھ جان کے خوف سے قصبے میں داخل نہ ہوں۔ چنانچہ یہ غازی قصبے کی طرف لوٹے۔ سکھوں کی گولیاں اس شدّت سے آ رہی تھیں کہ غازیوں کے کپڑے چھلنی ہو گئے۔ کھیت پایہ بہ پایہ تھے۔ یہ نیچے کے کھیت میں کودتے۔ گولیاں اُوپر کے کھیتوں کے پشتوں پر پڑتیں اور ان سے جو مٹی اڑتی وہ ان کے سروں پر گرتی۔ اسی حالت میں یہ دائیں بائیں سے اور آگے پیچھے کے غازیوں کو آوازیں دیتے جا رہے تھے کہ قصبے کا رُخ کرو۔ جب مسجد زیریں سے آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ سکھوں کا ایک جیش جنوبی سمت سے پیش قدمی کرتا ہوا بالاکوٹ میں داخل ہو چکا ہے۔ گویا قصبے میں مورچا بنانے کی جو اسکیم طے ہوئی تھی اس پر بھی عمل کی کوئی صورت نہ رہی۔

پن چکیوں میں مورچے کا قصد

یہ حالت دیکھ کر غازی بائیں ہاتھ ست بنے کے نالے کی طرف پلٹے اور سب کو آواز دی کہ ست بنے کے نالے سے گزر کر پن چکیوں کے پیچھے مورچے بناؤ۔ (پن چکیاں بالاکوٹ کے شمال میں برنا اور ست بنے کے درمیان اول کے مغربی اور دوم کے مشرقی کنارے پر تھیں اور اب بھی ہیں) وہاں بھی قدم جمانے کی کوئی شکل نہ بنی تو شیخ ولی محمد اور سیّد جعفر علی قصبے کے شمالی پہاڑ پر چلے گئے۔ ٹیلے پر کھڑے ہو کر میدان کا جائزہ لیا تو سکھ ست بنے کے نالے سے گزر کر پن چکیوں سے بھی آگے بڑھ چکے تھے قدرے توقف کے بعد طے ہوا کہ بے معنی جان دینے سے زیادہ مناسب ہے کہ جانیں محفوظ رکھیں۔ اگر حضرت امیر المومنین زندہ مل گئے تو شکست شکست نہ ہو گی بلکہ ہماری فتح ہو گی۔ حضرت کے لئے بھی ہمارا زندہ رہنا غنیمت کبریٰ ہو گا۔ اس اثناء میں قصبے سے دھوئیں کے بادل بلند ہوئے معلوم ہوا کہ سکھوں نے حسب عادت مکانوں کو آگ لگا دی ہے۔

بقیہ جماعتیں

یہ صرف ایک جماعت کی سرگزشت

تھی۔ زیادہ تر افراد اس وجہ سے میدان چھوڑ کر ست بنے کے نالے کی طرف چلے گئے کہ عام شہرت ہوگئی تھی کہ گوجر سید صاحب کو ست بنے کے راستے لئے جا رہے ہیں۔ متعدد شرکاء جنگ کا بیان ہے کہ جب غازی آپ کی تلاش میں اولوں کی طرح برستی ہوئی گولیوں کے درمیان ادھر اُدھر پھر رہے تھے اور شہید ہو رہے تھے۔ لوگوں نے شمالی پہاڑ کی جانب سے ایک آواز سُنی کہ غازیو! تمہارے سید بادشاہ کو لڑائی کے کھیت سے باہر نکال کر گوجر لوگ اس پہاڑ کے دائیں راستے لے گئے (یعنی ست بنے کی طرف سے) تم بھی ادھر ہی چلے جاؤ۔ وہاں سید بادشاہ تم کو مل جائیں گے۔ یہ آواز سُنتے ہی غازیوں نے ست بنے کا رُخ کیا۔ جو سید صاحب کے ساتھ ٹیلے میں تھے۔ ان میں سے شاید کوئی بچے ہوں۔ تقریباً سب شہید ہوئے جو غازی ادھر اُدھر دُور دُور تھے ان میں سے اکثر بچ کر سلامت نکل گئے۔

اِدھر بالاکوٹ کو آگ لگی ہوئی تھی اور لُوٹ مچ رہی تھی۔ جو غازی بیمار اپنے ڈیروں پر رہ گئے تھے ان میں سے بعض سکھوں سے مقابلہ کئے اور ایک دو کو مار کر شہید ہوئے جو بہت بیمار تھے وہ اپنے بستر پر شہید ہوگئے۔

آواز کس نے دی

یہ خبر کہ سید صاحب کو گوجر ست بنے کے راستے لے گئے۔ بالکل غلط تھی مگر اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کی وجہ سے غازیوں نے میدان چھوڑ کر ست بنے کے نالے کا رُخ کر لیا۔ اغلب ہے کہ گوجروں یا ملکیوں نے خیر خواہی میں یہ تدبیر اختیار کی تھی کیونکہ غازیوں کو سید صاحب کا نام لے کر میدان سے نہ ہٹایا جاتا تو وہ سب وہیں جانیں دے دیتے۔ ممکن ہے سکھوں نے بعض ملکیوں کے ذریعہ ایسا کیا ہو تاکہ میدان سے نکل جائیں اور مقابلہ ختم ہو جائے۔

غازیوں کا رنج و غم

غازی بالاکوٹ کے میدان سے نکل کر شمالی سمت کے پہاڑ پر پہنچے۔ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ وہیں ایک چشمہ پر وضو کر کے نماز پڑھی۔ سید صاحب نے بالاکوٹ جاتے وقت مولوی خیر الدین شیر کوٹی کی سرکردگی میں غازیوں کا ایک جیش مظفر آباد بھیجا تھا۔ اس اثنا میں وہاں کے چند غازی بھی پہاڑ پر پہنچ گئے جو اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر دوڑے دوڑے آئے تھے کہ جلد لڑائی میں شریک ہوں۔ شکست کا حال معلوم ہوا تو دم بخود رہ گئے۔ وقائع کا بیان ہے کہ "ہم لوگوں میں ہر ایک حضرت علیہ الرحمۃ کے غمِ فراق میں اس قدر پراگندہ خاطر اور باختہ حواس تھا کہ جیسے مجنون اور سودائی ہوتا ہے کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا (جلد سوم صفحہ ۲۵۴ - ۲۵۵)

سب بھوکے تھے۔ ایک گاؤں ملا۔ وہاں سے ایک روپے کی جوار خرید کر بھنوائی۔ اور غازیوں میں بانٹ دی۔ بالاکوٹ سے ڈھائی کوس پر ایک گاؤں انگرائی نام تھا۔ شام کے وقت وہاں پہنچے۔ کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ راستے میں جو جوار ملی تھی وہی کھا کر پانی پی لیا۔ وہیں مظفر آباد کے اکثر غازی آ گئے۔

دوسرے روز شیخ وزیر کا صاحبزادہ آگیا اس نے بتایا کہ جنگ کے بعد مجھے سکھ اس جگہ لے گئے جہاں زیادہ تر شہید پڑے تھے اور پوچھا کہ ان میں سے خلیفہ صاحب (یعنی سید صاحب) کی لاش کون سی ہے۔ میں نے پہچان کر بتا دیا۔ پھر انہوں نے مجھے ایک مسلمان کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے حالات پوچھے پھر کہا جا اپنے والد کے پاس چلا جا۔ میں ست بنے کے راستے چلا آیا۔

تحقیق کا نتیجہ

انگرائی سے چلتے وقت شیخ ولی محمد نے خضر خان قندھاری اور الہ دین پھلی والے کو بالاکوٹ بھیج دیا تھا کہ تمام حالات کی خوب چھان بین کریں۔ وہ واپس ہوئے تو غازی شملئی پہنچ گئے تھے جو راج دواری سے ڈیڑھ دو کوس شمال میں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بعض غازی سکھوں کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوگئے تھے۔ شیر سنگھ نے ان سے کہا کہ اگر تم سچ سچ بتا دوگے کہ خلیفہ صاحب کی لاش کون سی ہے تو تم کو چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے جا بجا پھر کر لاشوں کو دیکھا۔ ایک لاش

بے سر کی تھی۔ کہا یہی لاش معلوم ہوتی ہے مگر سر بھی ہو تو ہم بتا دیں۔ رشیر سنگھ نے سر تلاش کروا کر اس میں ملوایا تو انہوں نے کہا کہ سید صاحب کی لاش یہی ہے۔ پھر شیر سنگھ نے ایک دوشالہ اس لاش پر ڈلوا دیا۔ دو تھان خاصے کے اور پچیس روپے نقد دیئے اور کہا جس طرح تم مسلمانوں کا دستور ہے کفن دے کر اس کو دفن کر دو۔ پھر ادھر ادھر ملکی مسلمان بھی آکر جمع ہوئے اور کفن دے کر اس لاش کو دفن کیا اور وہ روپے نقد خیرات کئے گئے اور جو لاشیں سکھوں کی تھیں ان کو بالاکوٹ کے کوٹھوں میں ڈال کر جلوا دیا اور باقی لاشیں غازیوں کی وہیں جہاں کی تہاں پڑی رہیں[1]

سید صاحبؒ کا مدفن

جس قبر کو آج کل سید صاحب کی قبر قرار دیا جاتا ہے۔ کاغان جانے پشتے سے نیچے جنوبی و مشرقی سمت میں دریا کے کنارے پر ہے۔ کاغان جانے والی سڑک اس کے پاس سے گذرتی ہے۔ یہ قبر سید صاحب کی شہادت گاہ سے تقریباً ڈیڑھ میل پر ہوگی۔

دوسرے روز شیر سنگھ فوج لے کر دریا پار چلا گیا۔ البتہ اکالیوں یا نہنگ سکھوں کی ایک جماعت باقی رہ گئی۔ رات ہوئی تو انہوں نے لاش قبر سے نکال کر ندی میں پھینک دی۔ سر اور تن پہلے ہی سے الگ الگ تھے۔ دریا میں گرے تو الگ ہی رہے۔ لاش تیرتی ہوئی تلہٹہ پہنچی جو بالاکوٹ سے تقریباً نو میل جنوب میں کنہار کے مشرقی کنارے پر ایک گاؤں ہے۔ تلہٹہ والوں نے صبح کے وقت تن کو دیکھا تو اسے پکڑ کر پاس کے کسی کھیت میں نامعلوم مقام پر دفن کر دیا۔ سر بہتا بہتا گڑھی حبیب اللہ خان کے پاس اس جگہ کے قریب پہنچ کر مشرقی کنارے پر اٹک گیا جہاں آج کل پل بنا ہوا ہے۔ خان نے سر کو دریا سے نکال کر کنارے ہی دفن کر دیا۔ اب ایک مدفن پل سے گذرتے ہی کنہار کے مشرقی کنارے پر بائیں ہاتھ ملتا ہے۔ پہلے اس کی قبر چھوٹی تھی اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ صرف سر کی قبر ہے۔ لیکن اب سیمنٹ سے پوری قبر بنا دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں مقامی روایات افسانوی طرز کی ہے۔

اب بالاکوٹ میں جس قبر کو سید صاحب کی قبر بتایا جاتا ہے۔ اس میں یا اس کے آس پاس آپ صرف ایک دو روز دفن رہے۔ پھر قبر بالکل بے نشان ہو گئی۔ تقریباً باسٹھ برس بعد عجب خان نے سن رسیدہ لوگوں سے چھان بین کرا کر آپ کی اور شاہ اسماعیل شہید کی قبروں کے نشان قائم کئے۔ سید صاحب کی قبر کے ارد گرد چار دیواری بھی غالباً انہیں نے قائم کی۔ جو بہت خستہ ہو گئی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد چار دیواری اور قبر پر سیمنٹ کا پلستر ہو گیا اور ایک دروازہ لگ گیا۔ پشاور کے ایک صاحب نے سرہانے سنگ مرمر کی ایک لوح لگا دی ہے۔ یہ درحقیقت آپ کی قبر نہیں بلکہ اسے قبر کی جگہ سمجھنا چاہیئے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا مدفن

شاہ اسماعیل شہید کو ست بنے کے پار قصبے کے شمال مشرق میں دفن کیا گیا۔ ارباب بہرام خاں بھی یہیں دفن ہوئے تھے۔ مگر چھ ماہ بعد ان کے صاحبزادے ان کی لاش اپنے وطن تہکال لے گئے۔ چھ ماہ گذرنے پر بھی لاش بالکل تر و تازہ تھی۔ شاہ اسماعیل شہید کی قبر یہیں اپنے پہلے مقام پر رہی لیکن بالکل بے نشان ہو چکی تھی۔ کوئی باسٹھ برس بعد عجب خان نے نشان قائم کیا۔ پہلے خستہ سی چار دیواری تھی مگر حافظ اسلم جیراج پوری اور چودھری غلام احمد پرویز نے نئی چار دیواری بنا دی۔ میں ۱۹۵۱ء میں بالاکوٹ گیا تو دیکھا کہ چار دیواری

[1] وقائع جلد سوم صفحہ ۲۶۴-۲۶۵ و منظورہ صفحہ ۱۰۲

درخواست دعائے صحت

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ کی صحت بحمد اللہ پہلے سے کافی بہتر ہے مگر نقاہت بہرحال موجود ہے۔ قارئین کرام ان کی صحت کاملہ کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔

(ادارہ)

تحریر: السید حامد عبدالرحمٰن الکاف (جدہ)

(قسط ۴ آخری)

حقوق کے سلسلے میں اسلام کا قاعدۂ کلیّہ

اسلام کی راہِ اعتدال

مندرجہ بالا بحث سے دینِ فطرت ۔ اسلام ۔ کی وہ شاہراہِ اعتدال کھل کر سامنے آجاتی ہے جس کے حدود اربعہ بطورِ خلاصہ اس طرح پیش کئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ اسلام کمزوروں اور کمزور طبقات کے حقوق دینے کی خواہش طاقتور افراد اور قوّت دار طبقات میں ایک فطری اور نفسیاتی حقیقت اور مطالبہ کی حیثیت سے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس سے طاقتور کا کام ہے کہ وہ خود بڑھ کر کمزوروں کے حقوق کی ادائیگی کے فرائض انجام دے۔ ایسا نہ کرنا تو ایسی فطرت سے ٹکرانا ہے جس کا انجام سب ہی کو معلوم ہے۔

۲۔ حقوق کے تعین اور واجبات کی تحدید میں اسلام نے فریقین کے درمیان عدل و انصاف کو اساسی اہمیت دی ہے اور عدل کو قائم کرنا اس دین کے اولین مقاصد میں سے ہے اس کا تقاضا ہے کہ فریقین ظلم کی راہ ترک کر کے عدل کی پُرامن شاہراہ پر چلنے کی دل و جان سے کوشش کریں۔ تاکہ دنیوی اور اخروی کامرانیوں سے شادکام ہوسکیں۔

۳۔ عدل کے قیام کا طریقہ مشاورت ہے جس کے حدود و شرائط شریعت نے رجوع الی اللہ و رسولہٗ اور تحکیم کتاب اللہ و سنّتِ رسول ؐ کے دائرے میں محصور کر کے اس کو خواہشاتِ انسانی کی آماجگاہ سے محفوظ کر دیا ہے۔ اگر مشاورتی نظام اپنی شرائط کے ساتھ کامل عدل سے قائم کیا جائے تو فریقین کے درمیان منصفانہ اتفاق رائے کی راہیں پوری تابناکی کے ساتھ کھل جاتی ہیں اور کش مکش و تصادم کے بجائے مفاہمت اور تعاون کی داغ بیل پڑتی ہے۔ جس کے انفرادی اور اجتماعی نتائج انتہائی خوشگوار ہیں۔

۴۔ مشاورت ایک تکوینی مطالبہ ہے اور اس سے گریز خوفناک نتائج ہی پیدا کر سکتا ہے۔ اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ مسلم معاشروں اور ملکوں میں شورائی نظام کا ہر میدان اور ہر مرحلہ پر پُرزور مطالبہ کیا جائے۔ خواہ وہ حکومتی سطح ہو یا مزدور اور کارخانہ دار کا میدان ہو یا کسان اور زمیندار کے باہمی تعلقات کا معاملہ ہو یا کوئی اور بات ہو۔ یہی راہِ نجات اور کامیابی کی ضمانت ہے۔

آج ہم مسلمان ملکوں کے حکام کو جب یہ شکایت کرتے سنتے ہیں کہ عوام کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتے اور سارے کام اور منصوبے حکومت ہی کو بنانے اور نافذ کرنے پڑتے ہیں تو اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ شورائی نظام قائم نہیں ہے جس کو چلانے میں عوام اور ان کے حقیقی نمایندے عملًا اور حقیقۃً حصہ لیتے ہوں چونکہ یہ نظام اور اس کے سربراہ دونوں کے دونوں قوت کے بل بوتے پر مسلّط ہوگئے یا مسلّط کئے گئے ہیں۔ اس سے طبیعی نتیجہ کے طور پر عوام کو ان سے، ان کے کاروبار سے اور ان کے منصوبوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ محض تماشائی تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ اور ان کی یہ روش عین فطری منطق کے مطابق ہے۔

اس منفی طرزِ فکر اور عمل کا مظاہرہ اس وقت واضح ہو جاتا ہے جب ملک کسی بیرونی خطرہ کی زد میں آجاتا ہے اس وقت بھی عوام تماشائی بنے رہنے پر اصرار کرتے ہیں اس لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ جلد از جلد اس غیر فطری صورتِ حال کو بدلا جائے اور مشاورت کے ذریعہ تعاون کی فضا پیدا کی جائے تاکہ حکومت

اور عوام دونوں مل کر مثبت بنیادوں پر اندرونی اور بیرونی خطرات کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کے بغیر کوئی طاقت یا کوئی اقدام قوانین فطرت کو بروئے کار آنے سے نہیں روک سکتا ہے۔

شورائی نظام کے خلاف فرسودہ اور بے بنیاد دلائل کی حقیقت

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ملک پُرخطر حالات سے گزر رہا ہے۔ بیرونی خطرات درپیش ہیں۔ عوام جہالت کا شکار ہیں۔ لیڈر خود غرض ہیں اور ماضی میں چونکہ اس کا تجربہ نہیں کیا گیا اس لیے شورائی نظام کے کامیاب ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم مختصراً یہاں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ کیا یہ حضرات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اونچے درجات پر خدانخواستہ فائز ہو گئے ہیں جن پر آں حضرتؐ فائز کئے گئے تھے۔ یاد رہے کہ آپ نبی اور رسول کے عہدہ پر از خود فائز نہیں ہوئے تھے بلکہ فائز کئے گئے تھے۔ اور اسی لحاظ سے آپ کی اطاعت یا عدمِ اطاعت کو دنیاوی و اُخروی کامیابی یا ناکامی کا معیار و سبب قرار دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا (وشاورھم فی الامر) اور مؤمنین کی خاص خصوصیات میں سے اس کا خصوصیت کا ذکر فرمایا کہ ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلائے جاتے ہیں (وامرھم شوریٰ بینھم) یہ سب کچھ اس سے کیا گیا کہ آپ اس اُمّت کو، اس کے افراد کو اس کے حکام کو، اس کے عوام کو، اس کے اہلِ علم اور اہل الرّئ کو یہ تربیت دے سکیں کہ ان کو کس طرح اپنے معاملات چلانے چاہئیں۔ یہ بات بالکل ممکن تھی کہ وحی کی بنیاد پر لوگوں کو اطاعت کا حکم دیا جاتا اور لوگ اس پر اپنے آپ کو مجبور بھی پاتے مگر مشیّتِ الٰہی نے جس کو اس دین کو ہر طرح کامل کر دینا تھا یہ بات پسند نہیں کی بلکہ اُسوۂ محمدیؐ کی تکمیل کی خاطر خود آپؐ کو حکم دیا کہ آپ مشورہ فرمائیں اور مشورہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی تعلیم دیں تاکہ یہ اُمّت بے راہرویوں سے بچ سکیں جس کا شکار ہمیشہ سے انسانیت رہی ہے اور آج بھی ہے اور جس کی طرف ہم نے اُوپر اشارے بھی کئے ہیں۔

۲۔ اس وقت مدینہ کی سوسائٹی اندرونی اور بیرونی خطرات میں بُری طرح گھری ہوئی تھی۔ منافقین اور یہود خود اندر تھے، نصاریٰ اور مشرکین باہر، جنگی حالات ہمیشہ ہی برقرار رہے معاشی بحران مدّت تک جاری رہا۔ اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے اپنی مشیّت کو اس طرح ظاہر فرمایا کہ نبیؐ اپنے اصحابؓ سے مشورہ لیکر اُمّت کے لئے اُسوہ اور نمونہ قائم کریں۔

اب رہا جہل اور خود غرضی کا عذر تو ہم عرض کریں گے کہ اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عین تقاضائے فطرت اور تکوینی مطلب ہے تو ضروری نہیں ہے کہ سب لوگ یونیورسٹیوں سے فارغ ہوں تب ہی یہ عمل پورا ہو سکے۔ نہ اس وقت کوئی یونیورسٹی تھی اور نہ اس وقت جب یہ تجربات برطانیہ اور امریکہ اور یورپ میں کئے گئے تھے۔

پھر یہ کس نے کہہ دیا کہ تعلیم یافتہ خواہشِ نفس کے غلبے کی وجہ سے جاہل سے زیادہ خود غرض اور جاہل نہیں ہو گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ علم جب خواہشِ نفس کا آلۂ کار بن جائے تو وہ ایسے ایسے گل کھلاتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال آج کل جمہوری مجالس ہیں جن کا کام صرف رہ گیا ہے کہ ہر ظلم اور ہر غیر فطری عمل و حرکت کو جائز قرار دے کیا ان میں حصّہ لینے والے لوگ بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے نکلے ہوئے نہیں ہیں؟

اس کے برعکس حدود اللہ ان سب خرابیوں سے بچنے کی بہترین ضمانت ہیں۔ ان میں رہتے ہوئے نہ جاہل گمراہ ہو سکتا ہے اور نہ عالم۔ یہ سب کی جائے پناہ ہے اور ہر ایک کی محافظ بھی۔

آخر میں ہم مسلمان ملکوں کے سربراہوں، تعلیم یافتہ طبقات باشعور لوگوں اور عوام سب سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ اور محمد رسول اللہؐ کی اطاعت کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں۔ اور شورائی نظام قائم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی مخلصانہ

(باقی ص۲۳ پر)

تحقیق و تنقید

قسط ۴۲

مولانا صغیر احمد شاغف بہاری

مُحمّدی صراطِ مُستقیم بجواب دیوبندی صراطِ مُستقیم

حنفی مولانا لدھیانوی نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے حدیث ابن عباس کے مختلف طرق ذکر کئے ہیں جس سے ان کا مقصود اپنے قارئین کو یہ دکھلانا ہے کہ ان سب میں تین وتر ہی پڑھنے کا ذکر ہے اس سے کم کا نہیں۔ لہٰذا تین وتروں سے کم وتر پڑھنا صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ کی بھی ایک عبارت فتح الباری سے نقل فرمائی ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت کے متعدد طرق میں جو مختلف تعداد رکعت بتلائی گئی ہیں، ان کو جمع کر کے اس کے اس حصے کو قبول کرنا چاہیے جس حصے پر اکثر اور احفظ متفق ہوں اور یہ احفظ حصہ لدھیانوی صاحب کے خیال میں تین رکعت وتر ہیں (ص ۱۶۸، ۱۷۰)

اہلحدیث آپ نے حافظ کا کلام فتح الباری میں بچشم خود دیکھا ہے یا کسی نقل کرنے والے سے نقل کیا ہے۔ جناب آپ نے اس کلام کا بالکل آخری حصہ نقل کر کے حسب منشاء اس سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ کاش آپ حافظ کے کلام سے استفادہ کرتے۔ جناب آپ نے مسلم کی جس روایت سے اپنا مسلک ثابت کرنے کی عبارت کی ہے اس کے بارے میں کم از کم نووی کی شرح مسلم ہی سے دیکھ لی ہوتی۔ دیکھیے امام نووی اس روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ روایت تمام روایتوں کے مخالف ہے۔ اور یہ ان روایتوں میں سے ہے جن پر امام دار قطنی نے نقد کیا ہے قاضی عیاض نے اسے مقصود نہیں بلکہ بمتابع و شاہد بتایا ہے۔ یہی بات اُبی نے بھی شرح مسلم میں نقل کی ہے۔ اس کے بعد میں حافظ کے کلام کا خلاصہ اپنے لفظوں میں پیش کرتا ہوں:۔

(۱) ابن عباسؓ کی اس روایت میں اختلاف شدید واقع ہے۔

(۲) بہت سی روایتوں میں تعداد کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔

(۳) بعض روایتوں میں صرف ۹ رکعات کا ذکر ہے۔

(۴) بعض میں ۱۱ رکعات کا ذکر ہے۔

(۵) زیادہ تر روایتوں میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے۔

(۶) پڑھنے کی کیفیات میں بھی شدید اختلاف ہے۔ مثلاً بعضوں نے دو دو رکعت کر کے چھ اور تین کا ذکر کیا ہے بعضوں نے آٹھ اور پانچ رکعات کا ذکر کیا ہے اور بعضوں نے دو دو کر کے ۱۲ رکعات اور وتر کا ذکر کیا ہے۔

ان اختلاف کو دور کرنے کے لئے حافظ نے ۸ اور ۵ والی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ حافظ کا یہ کلام فتح الباری ج ۲ ص ۴۰۲ ۔ ۴۰۳ ۔ ۴۰۴ پر تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

لدھیانوی صاحب نے حافظ کا یہ محققانہ و محدثانہ کلام پسند نہیں کیا بلکہ اپنے مذہب کی پاسداری میں سے وہ روایت لے لی جس پر حفاظ حدیث نے نقد کیا ہے۔ اور مضطرب کہا ہے۔ خود حافظ صاحب نے بھی اس روایت پر اپنے کلام میں نقد پیش کیا ہے۔

بہر حال اب میں ایک اور حل بہ اصول محدثین پیش

کر رہا ہوں۔ پس میرے نزدیک بھی تیرہ رکعت والی ہی روایت اصح ہے کیونکہ اس کی تائید دوسرے صحابہ وصحابیات کی روایتوں سے ہوتی ہے۔ پڑھنے میں جو اختلاف واقع ہے اس میں بھی دو دو کرکے چھ مرتبہ اور وتر پڑھنے والی روایت ارجح ہے کیونکہ اس کی بھی تائید اکثر روایتوں سے ہوتی ہے۔ پس اس تیرہ رکعت کی تشریح اس طرح ہے۔ شروع کی دو ہلکی رکعتیں جو عموماً آپؐ پڑھا کرتے تھے پھر دس رکعات تہجد اور ایک رکعت وتر یہ کل تیرہ ہو گئے۔ اگر کوئی اس پر معترض ہو کہ حافظ نے جو تطبیق دی ہے اسے نقل کرنے اور اس کی توثیق کرنے کے باوجود تم نے ایک نئی صورت پیدا کی ہے ویسے ہی کسی اور کو بھی یہ حق کیوں نہ دیا جائے اور لدھیانوی صاحب نے جو صورت اختیار کی ہے اس پر اعتراض کیوں؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ حافظ نے جو تطبیق دی ہے وہ اور خود جو صورت میں نے توفیق کی لکھی ہے وہ اور لدھیانوی صاحب نے جو تاویل بے جا کا سہارا لیا وہ ان تینوں میں سے کوئی بھی میرے لئے معتبر نہیں کیونکہ ایک تین یا پانچ وتر بیک تشہد وسلام پڑھنے کے ہم قائل وفاعل ہیں۔ اعتراض دراصل اصول وقواعد کی پابندی وعدم پابندی پر ہے۔ اگر کوئی شخص غیر جانبدارانہ تعصب سے خالی الذہن ہو کر حافظ نے جو تطبیق دی ہے اور جو صورت میں نے لکھی ہے اور لدھیانوی صاحب نے جو تاویل کی ہے ان سب پر غائر نظر ڈالے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ حافظ نے حق کی طرفداری کی ہے تعصب کا شائبہ بھی نہیں ہے اور اسی طرح میں نے بھی حق کی طرفداری کو اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن لدھیانوی صاحب نے تقلید کی پچ رکھنے کی کوشش کی ہے اس کا ثبوت یہ کہ حافظ نے صحیح روایت کا سہارا لیا ہے۔ اور میں نے بھی صحیح روایتوں ہی کو مدنظر رکھا ہے لیکن لدھیانوی صاحب نے جس روایت کا سہارا لیا ہے اور اس روایت پر محدثین نے شدید نقد کیا ہے اس کے باوجود بھی اس روایت سے لدھیانوی صاحب کا نزعومہ تین رکعت وتر دو رکعت پر تشہد اور تیسری رکعت میں قرارت کے بعد رفع یدین کرکے ہاتھ باندھ کر دعاء قنوت کا ثبوت بالکل نہیں گویا ابھی مزید تاویل کی ضرورت ہے لیکن ہمارے یا حافظ کے لئے مزید کسی سہارے کی ضرورت نہیں فافہم۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گا "قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا" (الاسراء، آیت ۸۴)

الحمد للہ ہم ابن عباس کی روایت پر غور وفکر سے فارغ ہوئے اور حق کا ساتھ دیا۔

حنفی حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا (۱۷۲-۱۷۳)

اہلحدیث یہاں غالباً لدھیانوی صاحب سے نقل کرتے وقت چوک ہو گئی ہے کیونکہ یہ روایت سنن نسائی اور جامع ترمذی دونوں میں بایں الفاظ مروی ہے۔ "كان النبي صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث عشرة ركعة فلما كبر وضعف أوتر بسبع" "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (رات کو) گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، مگر جب کبر سنی کی وجہ سے ضعف ہو گیا تو سات رکعتیں پڑھنے لگے"۔ بس ترمذی اور نسائی کے الفاظ میں صرف نبی اور رسول کا فرق ہے۔ یعنی ترمذی میں "كان النبي" ہے اور نسائی میں "كان رسول الله" ہے اور ترمذی میں اسی مقام پر اسحاق بن راہویہ کا وہ کلام ہے جسے لدھیانوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ یہاں بھی اسی تاویل کا سہارا لیا ہے۔ جناب جن روایتوں کو آپ نے ناقابل قبول قرار دیا ہے چلئے آپ کی بات ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن جس روایت کو آپ نے تسلیم کیا ہے اس میں تو صرف تیرہ رکعت کا ذکر ہے پڑھنے کی کیفیت مذکور نہیں پھر آپ نے جو یحییٰ بن جزار کی روایت سے تاویل کی ہے وہ تو وہی روایت

ہے جس پر مفصل کلام کر چکا ہوں لہٰذا یہاں بھی اس روایت کو دو دو رکعت پر ۶ مرتبہ محمول کرنا پڑے گا اور ایک رکعت وتر یا پھر دس تہجد اور تین وتر ہمارے لیے کسی حال میں مضر نہیں اور آپ کا مدعا کسی حال میں ثابت نہیں ہوگا۔

حنفی مولانا لدھیانوی صاحب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ذکر کرکے کہ "جب تم میں سے ایک کو صبح کا اندیشہ ہو جائے تو ایک رکعت پڑھ لے وہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی" کہا ہے کہ اس سے ایک وتر کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: "یہ حدیث ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ گذشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر تین وتر پڑھے"۔

بہرحال الوتر رکعۃ من آخر اللیل (وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصے میں) بالکل اسی طرح ہے۔ جیسا کہ حج کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ الحج عرفۃ (حج عرفہ کا نام ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ وقوف عرفات کے بغیر حج کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حج کی پوری حقیقت بس وقوفِ عرفہ ہے۔ اس کے لیے نہ احرام کی ضرورت ہے نہ دوسرے مناسک کی۔ اس طرح الوتر رکعۃ من آخر اللیل کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل کی نماز کے ساتھ جب تک ایک رکعت کو نہ ملایا جائے وتر کی حقیقت متحقق نہیں ہوگی۔ یہ مطلب نہیں کہ وتر کی پوری حقیقت ہی بس ایک رکعت ہے۔ . . . . علاوہ ازیں خود ابن عمرؓ تین ہی وتر کے قائل تھے جس طرح کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ صلوٰۃ المغرب وتر النہار (مؤطا امام مالک، الامر بالوتر ص۴۲) کہ نماز مغرب دن کے وتر ہیں"۔ (ملخص از صفحہ ۱۷۳-۱۷۶)

اہلحدیث جن لوگوں نے ایک وتر پر ان روایتوں سے استدلال کیا ہے ان کے پاس ان روایتوں کے علاوہ بھی روایتیں ہیں۔ یہ تو آپ نے ان کی طرف سے غلط ترجمانی کی ہے پھر ان روایتوں میں جب بالوضاحت موجود ہے۔ "والوتر رکعۃ" آخر کس قاعدے اور قانون سے اسے تین پر محمول کرنا صحیح ہوگا۔ عربی زبان، شارع علیہ السلام کے صاف الفاظ، صحابہ کا عمل، محدثین کرام کی تبویب یہ سب آپ کی تاویلوں سے انکار کرتے ہیں۔ ذرا اپنے کو خالی از تعصب کرکے سوچیئے۔

حافظ کا جو کلام آپ نے نقل کیا ہے یہاں بھی آپ نے چالاکی سے کام لیا ہے۔ حافظ نے پھر اس کا جواب دیا ہے۔ تقریباً یہ کلام ایک صفحہ پر پھیلا ہوا ہے پھر سے مراجعت کر لیجئے۔

طویل کلام کے بعد حافظ نے آخری نتیجہ جو ظاہر کیا ہے اور جو خود حافظ کا اپنا مافی الضمیر ہے وہ یہ ہے ولکن النزاع فی تعین ذلک فان الاخبار الصحیحۃ تأباہ۔ یعنی "اصل نزاع تو تین رکعت کو معین کرنے میں ہے (جیسا کہ حنفیہ نے کر لیا ہے) اور صحیح روایتیں ان تین رکعت کو معین کرنے پر ابا کرتی ہیں"۔ (فتح ج ۲ ص [illegible]) معلوم ہوا حافظ نے تین رکعات پر حصر کو صحیح احادیث کا مخالف قرار دیا ہے اور آپ اسے الٹا حافظ کا منشا قرار دے رہے ہیں۔

آپ نے "الحج عرفۃ" اور "الوتر رکعۃ" دونوں کو ایک کرنے کی جو بے جا جرأت کی ہے اس کا جواب آپ بروز حشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے اس وقت میں صرف دونوں کے فرق کو واضح کرتا ہوں۔ جناب حج کے تمام ارکان میں سے ایک بہت ہی اہم رکن کو واضح کرنا مقصود تھا جس کے بغیر حج ہوگا ہی نہیں لیکن "الوتر رکعۃ" یہ کُل ہے کسی کا جزو نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص رات بھر نفل پڑھے اور کسی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے تو اس کی ساری نمازیں رائیگاں نہیں جائیں گی لیکن اگر عرفات کی حاضری کسی وجہ سے نہ ہو سکی تو پھر سے دوبارہ حج کرنا

ہوگا۔ گویا سارے ارکان بے کار ہوگئے۔ آئندہ سال اسے دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔ یہاں یہ صورت نہیں بلکہ جتنی رکعتیں پڑھی ہیں ہر ایک نامۂ اعمال میں مکتوب ہیں دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ابن عمرؓ کی روایت آپ نے ص۱۵ پر ذکر کی ہے وہاں میں جواب دے چکا ہوں کہ یہ آپ کے لیے مفید مطلب نہیں۔ پھر جب آپ نے دوبارہ اعادہ کیا تو دوبارہ دوسرے انداز سے اس کا جواب دے رہا ہوں۔ اس متن سے قبل عبدالرزاق وہ روایت لائے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی، والوتر رکعۃ من آخر اللیل" اس کے بعد عبدالرزاق نے فرمایا: قال: وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ المغرب وتر النھار فاوتروا صلوٰۃ اللیل" اب آپ غور کیجیے کہ کیا اس سے تین رکعت وتر ثابت ہوئے۔ جناب صرف مغرب کی تین رکعت طاق ہونے کی خبر ہے اور رات کی نماز کے بعد ایک وتر پڑھنے کی تاکید ہے۔ فافہم۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ وعن ابی عامر ...... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ المغرب وتر صلوٰۃ النھار فاوتروا صلوٰۃ اللیل وصلوٰۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعۃ من آخر اللیل (الفتح الربانی ج ۴ ص۳۵)

اس کے بعد آپ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سب اپنے مزعومات کی تکمیل ہے ورنہ صحابہ و تابعین کا جم غفیر ایک رکعت وتر کا قائل و عامل ہے جن کی فہرست ان شاء اللہ آخر میں دی جائے گی۔ جناب! خطبہ میں حاضرین کی تعداد بتلاتے اور پھر بتلاتے کہ فلاں فلاں اس خطبہ میں موجود تھے۔ اس کے باوجود تین ہی رکعت کے قائل ہیں۔ موطا سے جو اثر آپ نے نقل کیا ہے وہ اور اس قسم کی بہت سی روایتوں کا جواب بار بار دے چکا ہوں ابھی اوپر چند سطریں قبل بھی تشریح کر چکا ہوں۔ الحمد للہ ہم حدیث ابن عمر پر بھی کامل غور و فکر سے فارغ ہوئے۔ اس غور و فکر سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے ہی سے تین رکعت وتر کا نظریہ نہ بنا چکا ہو تو پھر ابن عمرؓ کی روایتوں سے ایک رکعت وتر کا حتمی ثبوت ہوتا ہے۔ (باقی)

بقیہ: کراچی میں سالِ نو کا جشن

اہتمام کیا گیا تھا۔ رات گئے تک شہر کی سڑکوں پر نوجوانوں کی ٹولیاں غول کی شکل میں ہارن بجاتے ہوئے گھومتی رہیں۔ ایک اندازے کے مطابق سالِ نو کے جشن میں لاکھوں روپے لٹائے گئے۔ اس موقع پر ہوٹل کے بیروں، ایکسائز کے عملے اور پولیس والوں کی بن آئی۔ سالِ نو کے جشن کی تقریبات کے ٹکٹ فروخت کرنے کے لئے مقامی فائیو سٹار ہوٹلوں نے اخبارات میں اشتہارات دئیے جس میں طرح طرح کی ترغیبات دی گئیں۔ ۱۹۸۴ء کا استقبال کرنے کے لئے سب سے مہنگی تقریب انٹر کان میں منعقد ہوئی جس کی ایک جوڑے کے لیے ٹکٹ کی شرح داخلہ ایک ہزار روپے رکھی گئی تھی ......

تاج محل ہوٹل ۶۵۰/- روپے۔ بیچ لگژری ۵۷۵/- روپے ایئرپورٹ ہوٹل ۵۰۰/- روپے ...... پروگرام موسیقی ورائٹی پروگرام، لاہور کی ٹرپل سسٹرز کا پروگرام۔ موتی محل آڈیٹوریم ۳۲۰/- روپے عشائیے وغیرہ۔

(نوائے وقت ۲ جنوری ۸۴ء)

الاعتصام یہ خبر کسی وضاحت اور تبصرے کی محتاج نہیں۔ ہم صرف موجودہ حکومت کو جو اسلام کے نفاذ کا دعویٰ کرتی ہے۔ فحاشی کی اس اشاعت عام پر قرآن کریم کی وہ وعید یاد دلانا چاہتے ہیں جس میں اہل ایمان کے اندر فحاشی کی اشاعت پر پسندیدگی کا اظہار کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی رسوائی کی خبر دے دی گئی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (النور)

سیر و سوانح
(قسط ۳)

پروفیسر مولانا محمد مبارک صاحب، کراچی

الشیخ عبدالحق بنارسیؒ

سید احمد شہیدؒ بریلوی اور ان کی جماعت مجاہدین کے لئے رفع الیدین کرنے والوں کی وجہ سے کبھی مشکلات پیدا نہیں ہوئیں اور نہ ہی سید احمد شہیدؒ بریلوی کی شہادت (۱۸۳۱ء میں) ان کی وجہ سے ہوئی بلکہ حنفی مسلک و مشرب کے افراد ہی کی وجہ سے تحریک مجاہدین ناکام رہی۔ اس پر ہر حنفی مورخ تاریخ پر دبیز سے دبیز پردہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے تاکہ ناکامی کی ذمہ داری اہل حدیث کے سر لگا کر اپنا سر بلند کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ الشیخ عبدالحق بنارسیؒ نے شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے اکتساب علم کیا لیکن جب حجاز جانے کا موقع ملا تب الشیخ نے قاضی شوکانی سے بھی علم حاصل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جیسا کہ اہل علم کا شیوہ رہا ہے لیکن احناف کے سر خیل کو اس پر اعتراض ہے اگر تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خود شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجاز جا کر علم اخذ کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ڈاکٹر مظہر بقا صاحب کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ولی اللہ دہلوی عمل کے لحاظ سے تو حنفی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ شافعی ہیں۔ اسی طرح کی رائے زنی مولانا عامر عثمانی صاحب نے بھی فرمائی تھی کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی وجہ سے ہندوستان میں حنفیت کو نقصان پہنچا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مختلف خیال کے علماء کرام سے تحصیلِ علم کرتا ہے تو وہ تقلیدِ شخصی سے آزاد ہو کر سوچنا اور عمل کرنے لگتا ہے جو عام احناف کو اور خاص کر دیو بندی مکتب فکر کو ناگوار گزرتا ہے۔

یہ اس لیے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی بات کو آج تک یہ حضرات سمجھ ہی نہیں سکے کیونکہ شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند وبلاد ما وراء النهر ولیس هناك عالم شافعی ولا مالكی ولا حنبلی ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لانه حینئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدی مهملا بخلاف ما اذا كان فی الحرمین فانه یتیسر له هناك معرفة جمیع المذاهب ولا یكفیه ان یاخذ بالظن من غیر ثقة ولا ان یاخذ من السنة العوام ولا ان یاخذ من كتاب غیر مشهور كما ذكر كل ذلك فی النهر الفائق شرح كنز الدقائق [۱]

"جب جاہل آدمی ہندوستان کے ممالک اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور کوئی عالم شافعی اور مالکی اور حنبلی وہاں نہ ہو۔ اور نہ ان مذہبوں کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ تقلید امام ابوحنیفہ کی کرے اور اس پر حرام ہے کہ مذہب امام ابوحنیفہؒ سے باہر نکلے کیونکہ اس صورت میں شریعت کا پھندا اپنی گردن سے نکال کر مہمل بیکار رہ جائے گا بخلاف اس صورت کے کہ حرمین میں ہو کیونکہ وہاں اس کو سب مذہبوں کا پہچاننا ممکن ہے اور اس کو یہ کافی نہیں کہ بدون وثوق کے گمان پر عمل کرے اور نہ یہ کہ عوام کی زبانوں سے کوئی بات اختیار کرے اور نہ یہ کہ کسی کتاب مشہور سے کوئی قول لے۔ چنانچہ یہ سب باتیں نہر الفائق شرح کنز الدقائق میں مذکور ہیں۔"

[۱] کشاف فی ترجمہ انصاف طبع دہلی جنوری ۱۹۳۶ء ص ۷۰-۷۱

شاہ ولی اللہ دہلوی نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے حنفی مسلک و مشرب کی پابندی واجب قرار دینے کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ بڑی واضح دلیل اس بات کی ہے کہ جب بھی ہندوپاک میں مالکی، شافعی، حنبلی، سلفی اور ظاہری مکتب فکر کی کتابیں مہیا ہو جائیں تو وہاں کے مسلمانوں کو بھی عربوں کی طرح کسی ایک امام کی تقلید جائز نہیں بلکہ براہ راست کتاب و سنت پر عمل کرنا واجب ہو گا۔

الشیخ عبدالحق بنارسی رح پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے۔ علماء دیوبند کے سرخیل شیخ عبدالحق محدث بنارسی کے مسلک کی بابت یہ نہایت افسوسناک بہتان باندھا ہے کہ وہ مذہباً زیدی شیعہ تھے اور امیر شہید سید احمد بریلوی نے ان کو اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا۔

اس پر مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم تبصرہ کرتے ہیں۔

"اہل حدیث عالموں کے جس رہنما کو مولانا زیدی شیعہ کہتے ہیں وہ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی مہاجر مکی (ف ذوالحجہ ۱۲۸۶ھ) ایک متبع سنت سلفی عالم ہیں ان پر زیدیت اور شیعیت کا الزام عائد کرنا بڑا ظلم ہے۔ مولانا نے ان کا "ذکر خیر" مختلف جگہوں پر کیا ہے۔ دو موقعوں پر زیدی شیعہ" ص ۱۹۵-۱۶۲" ایک مقام پر نواب صدیق حسن خاں صاحب (ف ۱۳۰۷ھ) کا استاذ بھی بتایا گیا ہے لیکن نام لینے سے اسے احتراز رہا ہے صرف ایک جگہ کتاب التمہید کے اقتباس میں ان کا نام آتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

وانضم الیہ الشیخ عبدالحق بن فضل اللہ البنارسی الذی ینتسب الی الصدر الشہید واخذ عن القاضی الشوکانی (التمہید لتعریف ائمۃ التجدید، ص ۷۵) [1]

"اور ان کے ساتھ بھی (یعنی مولانا ولایت علی کے ساتھ) شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی بھی مل گئے جو مولانا اسماعیل شہید (صدر شہید) سے انتساب رکھتے ہیں اور امام شوکانی کے بھی شاگرد ہیں"

دوسرے مقام پر اس طرح لکھا ہے۔

"وہ ہندوستانی عالم جو کہ مذہباً زیدی شیعہ تھا اور امیر شہید نے اسے اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا۔ وہ بھی مولانا ولایت علی کے ساتھ شامل ہو گیا۔ نواب صدیق حسن خان اسی استاد کے توسط سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں" [1]

مولانا مسعود عالم ندوی تحریر کرتے ہیں۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ امیر شہید رح نے انہیں کب جماعت سے نکلوا دیا تھا۔ کیا اس کا کوئی مستند ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے" [2]

اس کے جواب میں لکھا گیا کہ:۔

"انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں مولوی عبدالحق بنارسی کے اخراج کا واقعہ مذکور ہے (برہان دہلی بابت مئی ۱۹۴۳ء)

علماء دیوبند کے سرخیل لیڈر کا دعویٰ کہ اس نے مکہ مکرمہ میں ایک رسالہ دیکھا بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ ان کے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے لکھا ہے۔

"یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ اور ظاہر ہے کہ اولو الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں۔ سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات

[1] مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر ص ۴۹-۵۰۔

[1] شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک طبع سوم لاہور ص ۱۴۱
[2] مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر ص ۵۰

انبیاء وجملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ آپ نے آیت فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے عجب نہیں کہ آپ تو دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کے ناسخ اور دوسرے کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں،، [1]

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیں اور قرآن مجید کے کسی نسخہ میں آپ نظر ڈالیں تو آپ کو مذکورہ آیت کا وجود نہیں ملے گا۔

شیخ الہند نے جب اتنی بڑی جرأت کی تو ان کے تلمیذ خاص نے الشیخ عبدالحق بنارسی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ ایک رسالہ مکہ مکرمہ میں پڑھا ہے تو کونسی تعجب کی بات ہے

ہماری معلومات کے متعلق حنفی بزرگوں سے قبل جماعت مجاہدین کے خاص کرم فرما مسٹر اوکنلے (OKINLEY JAMES) مولانا ولایت علیؒ کے تذکرہ میں تحریر کرتا ہے۔

"ایک معلم کی حیثیت سے نمودار ہونے سے پہلے (مولانا ولایت علی) بنارس کے ایک متعصب وہابی عبدالحق کے مرید ہو گئے۔ اس شخص کا اصل نام غلام رسول دہی تھا۔ لیکن وہابی تعلیمات اختیار کرنے کے بعد اس نے یہ غیر مذہبی نام ترک کر دیا اور عبدالحق نام اختیار کیا اس کے بعد یہ مکہ گیا جہاں اس کے "بتدعانہ" خیالات کی خبر ترکی حکام کو ہوئی۔ گرفتاری کا حکم صادر ہوا۔ لیکن یہ کسی طرح نجد پہنچ گیا، چند سال نجد میں رہ کر یہ بنارس واپس ہوا۔ جہاں یہ نجدی کے نام سے مشہور ہوا۔ مولوی ولایت علی اس کے اولین حلقہ بگوشوں (CONVERTS) میں تھے [1]

موصوف نے غلط بیانی کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ مولانا ولایت علی رح الشیخ عبدالحق بنارسی کے نہ تو مرید تھے اور نہ ہی شاگرد تھے بلکہ دونوں ایک استاذ کے شاگرد اور ہم سبق ضرور تھے۔

۲۔ آپ کبھی نجد نہیں گئے بلکہ گرفتار ہوئے۔ مقدمہ کی باقاعدہ سماعت ہوئی، آپ کے استاذ مولوی عبدالحی بڈھیانوی نے آپ کی وکالت کی۔ باعزت طور پر بری ہوئے۔

۳۔ آپ نے کسی نجدی عالم سے استفادہ نہیں کیا۔ بلکہ یمن میں امام قاضی شوکانیؒ سے اکتساب فیض کیا۔

ایک دوسرے صاحب اسی میں نمک مرچ لگا کر یوں خامہ فرسا ہیں۔

"ایک بات اور بھی ہے جس میں ہندوستانی وہابی اپنے عرب بھائیوں سے الگ ہیں یعنی یہ کہ سید احمد امام مہدی ہیں (۲) ولایت علی (عبدالحق کا ایک مرید نجد ہی میں وہابی ہو چکا تھا لیکن بنارس میں رہتا تھا) نے اس عقیدے کی تبلیغ کی اور اس پر ایک کتاب بھی لکھی ہے [2]

(باقی)

---

[1] ایضاح الادلہ طبع مراد آباد ص ۱۰۳

[1] اوکنلے کا مقالہ THE WAHABIS IN INDIA مندرجہ کلکتہ ریویو [illegible]، بحوالہ "مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر" ص ۵۲

[2] E. REHALICK کا مضمون "THE HISTORY OF THE WAHABYIS IN ARABIA AND IN INDIA." مندرجہ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، بمبئی ۱۸۸۰ء، ص ۳۶۱۔

بسلسلہ خواتین سیرت کانفرنس، اسلام آباد

سیرت کے نام پر سیرتِ رسولؐ سے مجرمانہ غفلت اور سخت بے اعتنائی!

گزشتہ دنوں اسلام آباد میں خواتین کی ایک سیرت کانفرنس کا سرکاری طور پر اہتمام کیا گیا، جس میں ایک غیرت مند مسلمان عورت کی حق گوئی پر جس طرح لے دے کی گئی اور نصوصِ قرآن وحدیث کا جس طرح استخفاف کیا گیا۔ اس کی کچھ تفصیل تو "نوائے وقت" کے کالم "خاتون کی ڈائری" میں آچکی ہے اور کچھ خود صاحبِ واقعہ نے ہمیں لکھ کر بھیجی ہے۔ اسی طرح ایک اور مراسلہ ایک خاتون نے ارسال کیا ہے۔ ذیل میں یہ تینوں چیزیں بالترتیب پیشِ خدمت ہیں (ادارہ)

۱۔ خاتونِ اوّل سے ایک سوال

صدرِ مملکت کی اہلیہ بیگم شفیقہ جہاں جب سیرت کانفرنس میں مہمانِ خصوصی تھیں تو تقریب میں سے ایک خاتون آئی جو برقعہ پہنے ہوئے تھی۔ تب جنرل محمد ضیاء الحق خطاب کر چکے تھے۔ اور خواتین کی سفارشات اور ان کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔ لڑکی نے صاحبِ صدر کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی۔ اسی اثناء میں پہلی نشستوں پر سے ایک خاتون نے حرفِ دُعا کہا۔ تب اس خاتون نے صدرِ مملکت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جناب — بیگم ضیاء الحق میری ماں کے برابر ہے۔ جب بیگم صاحبہ بیرونِ ملک میں غیر مردوں سے ہاتھ ملاتی ہیں تو ہمیں بہت برا لگتا ہے۔ ماں غیر مردوں سے ہاتھ ملائے تو بیٹی کو غیرت آجاتی ہے۔ میری اپیل ہے کہ بیگم صاحبہ بیرونِ ملک مردوں سے ہاتھ نہ ملایا کریں۔"

ہال میں خاموشی چھا گئی جنابِ صدر۔ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ صدرِ مملکت نے کہا۔

آپ کی والدہ نے آپ کی بات سن لی ہے وہ آئندہ اس پر عمل کریں گی۔

ویمن ڈویژن کی سیکرٹری بیگم سلیمہ احمد نے کہا۔ کہ قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ غیر مرد سے ہاتھ نہ ملایا جائے جس پر چند عورتوں نے تالیاں بجائیں۔ جب کہ کسی نے کہا۔ بیگم سلیمہ احمد اپنی نوکری پکی کر رہی ہیں۔ اس لیے خاموش نہیں رہ سکیں۔

صدر صاحب جا چکے تھے اور وہ لڑکی خاتون میزبانوں اور منتظمِ اعلیٰ وزیر کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے ڈانٹ ڈپٹ کی۔ کئی عورتوں نے اس برقعہ پوش خاتون کو جا کر دیکھا۔ جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔ اور اُس نے کوئی "ان ہونی" کہہ دی ہو۔ خاتون وزیر نے کہا کہ لڑکی کو ہرگز آدابِ محفل کا خیال نہیں ورنہ وہ اپنی یہی بات الگ جگہ پر بھی کہہ سکتی تھی اس نے نہایت بدمزگی پیدا کی ہے۔

چند لمحوں بعد جب ایوانِ صدر میں بیگم ضیاء الحق داخل ہوئیں تو خواتین نے اُنہیں گھیر لیا بغل گیر ہو گئیں۔ ہماری لڑکی ... نے کہا کہ آپ کا بڑا حوصلہ اور تحمل مزاجی ہے کہ آپ نے لڑکی کی بات سنی۔ فرمانے لگیں۔ میں برا محسوس نہیں کرتی جب کوئی تنقید کرے بلکہ مجھے تو مردوں سے ہاتھ ملانا خود برا محسوس ہوتا ہے لیکن بیرونِ ملک میں مجبوریاں ہوتی ہیں۔ آپ خود ہی بتائیں۔ جب کوئی ہاتھ آگے بڑھائے تو کیا میں ہاتھ لٹکائے کھڑی رہوں؟ کسی نے کہا آپ جنرل کی بیوی ہیں سلوٹ کر دیا کریں۔

ظہرانے کے وقت خواتین خوش گپیوں میں مشغول اور سیرت کانفرنس پر تبادلۂ خیال کر رہی تھیں۔ ایوانِ صدر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ کچھ عورتیں فارغ ہو کر میک اپ کرنے میں مصروف تھیں کہ میری نظر اس برقعہ پوش خاتون پر پڑی۔ جس کی

الف ثانی رح کی حیاتِ طیبہ ہمارے سامنے کھلی پڑی ہے ہم بھی اسے دہرانے سے کترائیں گے نہیں۔ آپ کی نظر ہر وقت چڑھتے سورج پر ہوتی ہے لیکن ہمارا قیامت پر بھی ایمان ہے اور ہم باقی مقدمے اسی "عدالتِ عالیہ" میں چکائیں گے۔ ہم سے مقابلہ کرکے تمہارے لیے کوئی مفر کی صورت نہیں۔ آج اگر تم سمندر کی جھاگ کی طرح چڑھ سکتی ہو تو کوئی بات نہیں باطل ہمیشہ اسی طرح آیا کرتا ہے اور اس سے بری طرح جایا کرتا ہے۔ آپ کی ساری محفل آج اس بات پر تو بڑھ چڑھ کر تقریریں کرسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو ایک بڑھیا نے بھری محفل میں ٹوکا۔ اور نبی اکرمؐ نے بھی اپنی ذات کو احتساب کے لیے پیش فرمایا اور پھر اس پر زوردار تالیاں بجا کر مقرر کو خراجِ تحسین بھی پیش کرسکتی ہے مگر اسی محفل میں حق کی آواز اٹھانے والی ایک کم عمر طالبہ کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ صرف چھوڑ ہی نہیں دیا گیا بلکہ ان کی اکثریت نے بساط بھر گالیوں کا عظیم الشان تحفہ اس کے دامن میں ڈال دیا۔ وہ برقع پوش طالبہ یہ توقع رکھتی ہے کہ آئندہ بھی آپ اسی طرح اس کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر اسے ہلکا کرتی رہیں گی۔ غیاب وحضور میں دی گئی تمام گالیاں جو میرے گنہگار کان کچھ سن سکے اور کچھ نہ سن سکے (کیونکہ سینکڑوں زبانیں بیک وقت متحرک تھیں) وہ تمام میں نے بغیر کسی تبصرے کے وصول کرلی ہیں اور یوم حساب کے لئے اٹھا رکھی ہیں۔ چلتے چلتے ایک گزارش سن لیجئے۔ ایک بستی کے لئے جب خدا نے عذاب کا حکم دیا تو فرشتے نے عرض کیا کہ وہاں ایک مومن اور صالح بندہ بھی موجود ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ سب سے پہلے عذاب اسی پر مسلط کیا جائے کیونکہ اس کے سامنے میری آیات کا مذاق اڑایا جاتا رہا لیکن اس کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔

بخدا سوچئے! یہاں شکن تو کجا اگر کسی نے روکا ہے تو الٹا اسی کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے یاد رکھئے کہ خدا کا غیظ وغضب جب جلال میں آتا ہے تو سبھی کو بہا لے جایا کرتا ہے۔ لہٰذا اسلام پسند خواتین بھی اگر بات کرنے کی جرأت نہیں رکھتیں تو کم از کم حق گوئی کی حمایت کرنے کا حوصلہ تو پیدا کریں۔

آخر میں مجھے محترم المقام ضیاء الحق صاحب اور بیگم شفیقہ ضیاء صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے میری بات سُنی اور سُن کر بڑا صحیح جواب دیا لیکن اصلی شکریہ تب ہوگا کہ آئندہ دورے میں میری وہ ماں کسی غیر مرد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دیں ساتھ ہی یہ بھی استدعا ہے۔ بخدا دوست دشمن کو پہچان کریں۔ اور یہاں اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں قول وفعل کے تضاد کی جوابدہی کے لیے اس دن کو نہ بھولیں جس دن کے لئے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ کی وعید سنائی جاچکی ہے (حافظہ فوزیہ کیلانی)

۳۔ جرأتِ ایمانی کی زندہ مثال

جامعہ تدریس القرآن والحدیث دسن پورہ (لاہور) کی مومنانہ جرأت اور دینی غیرت وحمیت اور اس سلسلے میں مغرب زدہ خواتین کی تنقید وغیرہ کی تفصیل پڑھ کر جہاں محترمہ فوزیہ کو مبارکباد دینے کو جی چاہا، وہاں دوسری خواتین کی بے حسی اور دینی غیرت وحمیت کے فقدان پر سخت افسوس بھی ہوا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس کانفرنس کا اہتمام سیرت کے نام پہ کیا گیا لیکن سیرت النبیؐ کے ساتھ یہ استہزاء ومذاق کیا گیا۔ لیکن سیرت النبیؐ کے ساتھ یہ استہزاء ومذاق کیا گیا کہ اکثر بے پردہ گھومنے والی خواتین کو نمائندگی دی گئی وہ خواتین جن کو اسلام پسندی کا دعویٰ ہے ان کا کردار بھی بڑا افسوسناک رہا۔ انہوں نے بھی ایک حق گو خاتون کی بات کو اپنی سبکی تصور کیا اور آدابِ محفل کی خلاف ورزی گردانا۔ شاید صدر محترم اور بیگم صاحبہ کو یہ بات اتنی گراں نہ گزری ہو لیکن انہیں یہ احساس دلانے کی پوری کوشش کی گئی کہ ان کی انا کو ٹھیس پہنچی

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

عینک کے پیچھے اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور وہ سب سے الگ تنہا بیٹھی تھی اور وہ ہر آنے جانے والے سے نظریں چرا رہی تھی۔ جیسے بے چاری کوئی گناہ کر بیٹھی ہو۔ اس نے کھانا کھایا تھا یا نہیں۔ یہ اس سے کسی نے نہیں پوچھا۔ سب آشنا ضرور کہہ رہے تھے کہ احمق ہے ایسے یوں گستاخی نہیں کرنا چاہیئے تھی جبکہ خاتونِ اول بیگم ضیاء الحق خواتین مہمانوں میں بیٹھی ہشاش بشاش دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ خاتون جس نے خاتون اول کو ماں کے برابر کہہ کر مخاطب کیا اور پھر اس سے غیر مردوں سے ہاتھ نہ ملانے کی اپیل کی۔ شاید کچھ لوگوں کی نظر میں یہ بات چھوٹی ہو اور کچھ لوگوں کی نظر میں بہت بڑی زیادتی۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ بیرونِ ممالک دورے سے پہلے وہاں اپنے ملک کی کچھ خاص روایات اور مذہبی پابندیوں کا ذکر کر دیا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان کے سامنے شراب لا کر رکھ دے تو وہ یقیناً پینے سے انکار کرے گا بلکہ انکار کی وضاحت بھی کریگا۔ جہاں اسلام میں غیر مردوں سے ہاتھ ملانے یا مصافحہ کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کوئی حدیث، فقہ اس بات کے لئے دلیل نہیں رکھتی کہ ایک عورت نامحرم سے ہاتھ ملا سکتی ہے۔ ایک اسلامی اور بابرکت فعل میں ایک خاتون کا اسلامی سوال یا اعتراض یوں عتاب کا نشانہ بنے گا شاید اس نے یہ سوچا نہ تھا۔ ورنہ وہ اپنی عقیدت اور پیار کا مظاہرہ یوں نہ کرتی۔ بہرطور خاتونِ اول کے سامنے اٹھایا جانے والا ایک سوال۔ دوسری عورتوں کو بھی دعوتِ فکر دیتا ہے کہ انہیں قرآن و سُنّت اور احادیث کے حوالے سے کس حد تک آزادی حاصل ہے؟ (خاتون کی ڈائری "نوائے وقت" لاہور ۶ جنوری ۸۴ء)

۲۔ چہ قلندرانہ گفتم

پچھلے دنوں اسلام آباد میں سیرت کانفرنس منائی گئی۔ خدا مبارک کرے۔ آمین۔ اس کانفرنس میں ایک واقعہ پیش آیا۔ جسے بدمزگی کہا گیا۔ کسی نے بدتمیزی کہا۔ کسی نے کم عقلی، کسی نے کم ظرفی، کسی نے منافقت اور کسی نے اس کو سازش پر محمول کیا۔ اُس کانفرنس میں جسے خالصتاً خدا اور اس کے رسولؐ کے نام پر بلایا گیا تھا۔ حد درجہ اسلام دشمن خواتین کو نمائندگی دی گئی۔ عرب کی وہ مفتیہ کہیں سے یہ فتویٰ لے کر آئی تھیں کہ ہاتھ ملانا تو نہیں لیکن دل توڑنا قرآن میں منع ہے۔ میں اس مفتیہ بیگم سلیمہ احمد سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ نبی اکرمؐ کا اُسوۂ حسنہ کیا ہے۔ آپؐ نے کفار کے معبودوں کو توڑا تو ان کے دل بھی ٹوٹتے تھے یا نہیں؟ یاد رکھئے جب کوئی خدا کا قانون توڑتا ہے تو ہماری غیرتِ ایمانی ہمیں خاموش نہیں بیٹھے رہنے دیتی۔ جو میرے خدا کی آیات کی توہین کرتا ہے اُس کا دل توڑنا میرا ایمان ہے۔ اور میرے مصطفےٰؐ کی شان ہے۔ یہ ساری محفل اس بات پر اَڑ گئی کہ مجھے کسی کا دل نہیں توڑنا چاہیئے تھا۔ میں اسی محفل سے سوال کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کے عطا کردہ القابات کے مطابق میں کم ظرف۔ کم عقل۔ کم علم۔ کم عمر۔ بیہودہ۔ بدتمیز گستاخ۔ ایڈیٹ، بے ادب...... سب کچھ سہی (اور کچھ ایسی بھی باتیں تھیں جنہیں لکھنا میری طبع سلیم گوارا نہیں کرتی) میری بات سے تو کسی کا دل ٹوٹا یا نہیں...... مگر آپ جیسی مومنات۔ قانتات قسم کی دانشوروں نے یہ ساری گالیاں دے دے کر کس کس کا دل جوڑا اور دینِ اسلام کی کتنی خدمات سرانجام دیں اور کتنی آیاتِ الٰہی پر عمل کر کے جنت الفردوس کے اعلیٰ مراتب حاصل کئے جناب سلیمہ احمد صاحبہ آپ کی قبیل کی ساری خواتین سے میں عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ پورے عالمِ اسلام کے صرف پانچ علماء سے مجھے فتویٰ لے دیں کہ قرآن میں ہاتھ ملانا تو منع نہیں مگر کسی کا دل توڑنا ضرور منع ہے تو میں آپ کی سفارش کروں گی کہ آپ کو پاکستان کا بھی مفتی اعظم تسلیم کر لیا جائے۔ اگر آپ ہماری غیرتِ ایمانی کو للکارنا چاہتی ہیں تو پھر آپ کو اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اگر آپ کو "اکبر کے نورتن" بننا آتا ہے تو یاد رکھئے مجدّد

اطلاعات و اعلانات

وفیات

آہ میاں محمد عبداللہ صاحب

جناب میاں محمد عبداللہ صاحب

مالک اتفاق ہارڈویئر ڈیلدار روڈ اچھرہ لاہور ایک ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہو گئے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ موت حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم نہایت راسخ العقیدہ اہل حدیث اور جماعت اہلحدیث رحمان پورہ اچھرہ لاہور کے روح رواں تھے۔ ادارہ الاعتصام مرحوم کے بیٹے صلاح الدین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے سرفراز فرمائے آمین (ادارہ)

۲۔ جماعت اہلحدیث عارف والہ کے مخلص کارکن صوفی نذیر احمد صاحب ایک بس کے حادثے میں وفات پا گئے۔ مرحوم نہایت مخلص دیندار اور جماعت کے فعال کارکن تھے۔ قارئین ان کے لئے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کریں (عبدالرشید طہیر فیصل کالونی بہاولنگر)

۳۔ ہماری جماعت اہلحدیث گکھڑ کے سرگرم کارکن جناب صفدر صاحب کی والدہ محترمہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ تمام جماعتی احباب سے مرحومہ کی مغفرت کی دعا کی اپیل ہے (عبدالقیوم مدرس مسجد توحید گنج اہلحدیث گکھڑ۔ گوجرانوالہ)

۳۔ فروکہ ضلع سرگودھا کے ایک نہایت ہی مخلص اور جماعت کے سرگرم رکن بزرگ صوفی دین محمد صاحب مسلم اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم نہایت عابد، زاہد، متقی مسلک اہلحدیث کے پابند تھے گاؤں فروکہ کے نہایت با اثر زمیندار میاں جلال الدین مرحوم انہی کی ترغیب سے اہل حدیث ہوئے۔ احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ ان کی لغزشیں معاف فرمادے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین (حافظ محمد حیات فروکہ ضلع سرگودھا)

۴۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز بدھ الحاج مستری عبداللطیف پٹی والے بلڈنگ انجنیئر چاہ شاہاں گوجرانوالہ ۶۳ سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط مرحوم پختہ سلفی العقیدہ اہل حدیث، خوش اخلاق، ملنسار اور ہر دلعزیز تھے۔ قارئین کرام ان کی مغفرت اور پس ماندگان کے صبر جمیل کی دعا فرمائیں (عبدالحمید کنٹریکٹر کشن ٹمبر واٹر چاہ شاہاں گوجرانوالہ)

ہدیۂ تشکر

دار العلوم اوڈانوالہ کے کتب خانہ کے لیے ادارہ شئون الحرمین مکہ مکرمہ اور دیگر احباب کی طرف سے بہترین کتب کا عطیہ موصول ہوا ہے۔ ہم تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور دیگر احباب اور اداروں سے بھی ایسی توقعات رکھتے ہیں۔ (نگران مکتبہ دار العلوم تقویۃ الاسلام رجسٹرڈ اوڈانوالہ چک ۹۳ گ ب براستہ ماموں کانجن (فیصل آباد)

اپیل برائے تعمیر مسجد

میانوالی شہر میں مسجد اہل حدیث کی تعمیر کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس نے اب تک ستاون ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے۔ ایک مکان کا سودا چل رہا ہے جس کی قیمت تین لاکھ روپیہ ہے منصوبہ کی تکمیل کے لیے تقریباً ۶/۵ لاکھ روپیہ درکار ہے۔ لہٰذا تمام اہل ثروت مخیّر حضرات سے پُرزور اپیل ہے کہ وہ بھرپور تعاون فرمائیں مسجد مبارک چنیوٹ، مسجد مبارک سرگودھا کے جن مخیر حضرات نے ہم سے تعاون فرمایا ہے اللہ تعالےٰ اسے قبول فرمائے آمین۔ (شاہجہان ملک ہیڈ کلرک ڈسٹرکٹ آرمڈ سروسز بورڈ میانوالی)

اطلاعِ عام

احباب مطلع رہیں کہ جامع مسجد ربانی اہل حدیث شاہین آباد گوجرانوالہ کا کوئی سفیر یا نمائندہ نہیں ہے۔ ہمارے سفیر کے نام پر کسی کو چندہ نہ دیں۔ (محمد سلیمان سیکرٹری جامع مسجد ربانی اہل حدیث شاہین آباد۔ گوجرانوالہ)

ضرورتِ رشتہ

ہمارے چھوٹے بھائی میٹرک پاس (۲۸ سال) کے لئے رشتے کی ضرورت ہے۔ لڑکی بے شک غریب و مسکین ہو۔ مگر اہل حدیث ہو۔ لڑکا واہ فیکٹری میں ملازم ہے۔ (محمد داؤد کوارٹر نمبر 5/4/G 14 جی (P.O.F) واہ کینٹ)

خادم کے ضرورت مند متوجّہ ہوں

بندہ آج کل فارغ ہے۔ اگر کسی مسجد اہل حدیث میں خادم کی ضرورت ہو تو راقم سے جلد رابطہ قائم کریں۔ پاکستان میں کسی جگہ بھی ضرورت ہو تو بندہ اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار ہے (حاجی محمد اسماعیل گھلوی معرفت نور محمد امام مسجد اہل حدیث محلہ مسلم گنج شیخوپورہ)

احمد صاحب مکمل پتہ لکھیں

کسی دوست نے ہماری مسجد و مدرسہ کے لئے یک صد روپے منی آرڈر ارسال کیا ہے لیکن اپنا مکمل پتہ کوپن پر تحریر نہیں کیا۔ احمد صاحب اپنے پتہ سے آگاہ فرمائیں تاکہ رسید ارسال کی جا سکے (محمد صدیق حسن مقام بھومن شاہ براستہ حویلی ضلع اوکاڑہ)

بقیہ:- حقوق

کوشش کریں تاکہ یہ اُمت اس خلفشار سے نجات حاصل کرکے جس میں وہ آج کل گھری ہوئی ہے۔ اپنے بجلی کے قمقمے بجھا کر دوسروں کے تیل کے چراغ سے روشنی حاصل کرنا سب سے بڑی نادانی ہے۔ اس لیے ان کا کام ہے کہ وہ اس میدان میں بھی اسلام کی شاہراہ پر چلیں اور اس نیت کے ساتھ چلیں کہ اللہ اپنے مخلص بندوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے اور ان کو کامیابی کی راہیں سجھاتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت ۶۹)

(اور جو لوگ ہماری راہ میں جانفشانیاں کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کھولیں گے اور بے شک اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (المجادلة ۔۲۱)

(اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ اللہ یقیناً زبردست طاقت والا ہے۔

بقیہ: جرأتِ ایمانی کی زندہ مثال

گئی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ شعبہ خواتین کی نظارت کے فرائض ایک ایسی مغرب زدہ خاتون کے سپرد کیے گئے ہیں جو قرآن تو کجا تعلیماتِ اسلامی کی ابجد سے بھی بے بہرہ دکھائی دیتی ہے جو بھری محفل میں ڈنکے کی چوٹ کہتی ہے کہ عورت کا غیر مردوں سے ہاتھ ملانا قرآن میں منع نہیں کیا گیا۔

ہم چھ نمازیں پڑھنے والے اور اٹھتے بیٹھتے اسلام کا برملا اظہار کرنے والے صدرِ گرامی قدر سے درخواست کرتے ہیں کہ ایمان و اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑانے والے لوگوں سے ملک کو نجات دلائی جائے۔

(بیگم حافظ عبدالرحمٰن نعیم لاہور)

WEEKLY **AL-AITISAM** LAHORE

R. L. No. 5523